وہ کیوں گریزاں ہے؟
وہ اس کے گریز کا سبب جاننا چاہتا تھا
سبب واضح ہوا تو اس کی روح پر سناٹے چھا گئے،
انا جاگ اٹھی۔

آگ اگلتے ہوئے جذبوں کی کہانی

قربتوں کے آس پاس

شازیہ چودھری

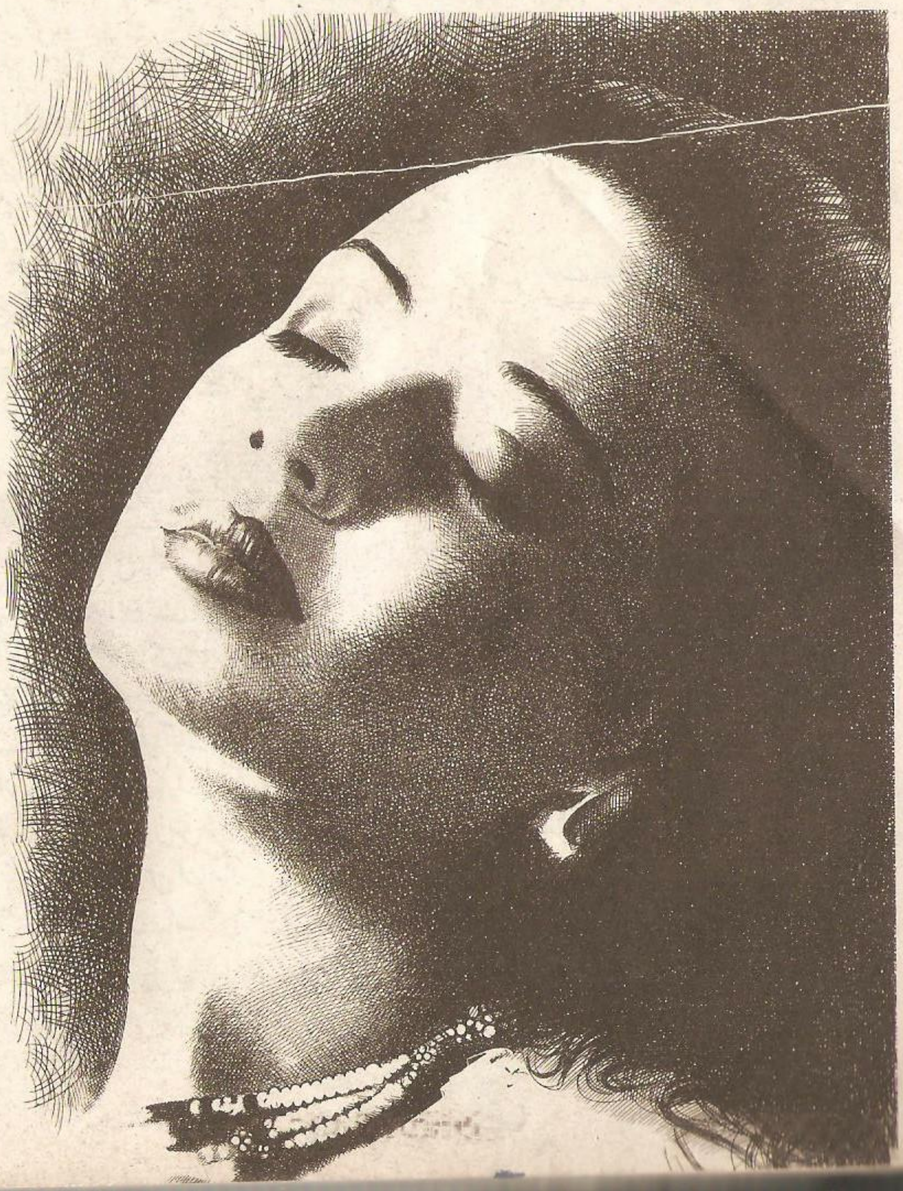

اس قدر شدید دھند تھی کہ راستہ بھی صاف نظر نہیں آرہا تھا اوپر سے رات سر پر آگئی تھی ڈرائیونگ میں حددرجہ دقت پیش آرہی تھی مہروز بار بار ونڈ اسکرین کے وائپرز آن کرکے بارش کے قطروں کو صاف کررہا تھا مگر بوچھار اس قدر تیز تھی کہ لمحوں میں شیشہ دوبارہ پانی سے تربتر ہوجاتا تھا۔

”آج تو اللہ ہی کرم کرے تو گھر پہنچ پائیں گے۔“ مہروز فکرمندی سے سوچ رہا تھا۔

”امی اور ماں جی لوگ انتظار کررہے ہوں گے۔“

”انہوں نے شہر سے چلتے وقت احمد پور میں فون کرکے بتادیا تھا کہ ہم لوگ آرہے ہیں شام تک پہنچ جائیں گے اور اب شام کب کی بیت چکی تھی اور ابھی انہوں نے بمشکل آدھا سفر طے کیا تھا۔

”اس سے تو بہتر تھا آج رک ہی جاتے۔ کل صبح روانہ ہوجاتے۔“ اسے بار بار اپنی جلد بازی پر افسوس ہورہا تھا۔

وہ لاہور میں کرائمز برانچ میں ایس پی کے عہدے پر تعینات کیا گیا تھا۔ سرکاری رہائش گاہ مل جانے کے بعد وہ مستقلاً لاہور میں سیٹ ہوگیا تھا شادی کے بعد افزا کو بھی ہمراہ لے آیا تھا۔ مگر پابندی سے ہر دوسرے ہفتے وہ اپنے آبائی گاؤں احمد پور ضرور جاتا تھا۔

”احمد پور کسی زمانے میں گاؤں ہوا کرتا تھا مگر اب جدید سہولیات حاصل ہوجانے کے بعد اچھے خاصے قصبے میں بدل گیا تھا۔ بجلی۔ سوئی گیس۔ ٹیلی فون۔ اسپتال۔ ٹرانسپورٹ کا اڈہ۔ لڑکے اور لڑکیوں کے ہائی اسکول اور اب بازار بن جانے کے بعد تو کوئی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ گاؤں ہے۔ عنقریب یہاں لڑکیوں کے لیے کالج بھی کھلنے والا تھا۔ جدید طرز کے پکے مکانات ہر قسم کی ضروریات زندگی پر مشتمل بازار اور دکانیں اور چہل پہل نے اسے چھوٹے موٹے شہر کا روپ دے دیا تھا۔

”ہم کب تک گھر پہنچیں گے؟“ آخرکار افزا نے لب کشائی کی تھی وہ بہت دیر سے خاموشی سے کھڑکی کے ذریعے بارش کا نظارہ کررہی تھی۔

”یہی صورتحال رہی تو شاید صبح تک بھی نہ [illegible] پائیں۔“

طویل سفر اور مسلسل ڈرائیونگ نے مہروز کو [illegible] سا دیا تھا اس کے چہرے پر کوفت اور بیزاری کے تاثرات نمایاں تھے۔

”امی لوگ قسم قسم کے کھانے بنا کر ہماری آمد کے منتظر ہوں گے۔“ مہروز کی سوچ بار بار احمد پور کے مکینوں کی طرف پرواز کررہی تھی۔

”شہروز اور فیروز تو پھاٹک پہ نظریں جمائے بیٹھے ہوں گے اور صالحہ بار بار گھڑی کی سوئیاں دیکھ رہی ہوگی صفیہ بھابی بھی اپنے بچوں کو دلاسے دے رہی ہوں گی کہ ابھی کچھ دیر میں تمہارے مہروز چاچا ٹافیاں لے کر آجائیں گے۔“

وہ محویت سے اپنے گھر والوں کے تصوراتی خاکے بنارہا تھا یہ پروا کیے بغیر کہ اس کے ہمراہ بیٹھی ہستی اندیشوں کے طوفان میں گھر کر ہراساں ہورہی ہے۔ اب بارش کے ساتھ ساتھ گرج چمک بھی شروع ہوچکی تھی۔

دھند‘ رات کی تاریکی‘ مینہ کی بوچھار اور سردی کی شدت سے ٹھٹھرتے ہاتھ پاؤں مہروز کے لیے تادیر ڈرائیونگ کرنا ممکن نہیں رہا۔

”ہم اس حالت میں مزید سفر جاری نہیں رکھ سکتے۔“ آخرکار اس نے گردن موڑ کر افزا کی جانب دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا۔

وہ گھبرا سی گئی تھی۔

”ایسا کرتے ہیں کسی محفوظ جگہ پر گاڑی پارک کرکے رات گاڑی میں بسر کرلیتے ہیں صبح بارش تھم جائے گی تو سفر شروع کریں گے۔“

سڑک کے بائیں جانب درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آرہا تھا۔ یہ جگہ انتہائی محفوظ تھی مہروز نے وہاں تک ڈرائیو کرتے ہوئے گاڑی کچے میں اتار کر درخت کے نیچے پارک کردی۔

”گھر والے بہت پریشان ہوں گے مگر اب کیا کیا جاسکتا ہے۔“ مہروز نے اتنی دیر کے بعد اسے شریک

[illegible] تھا۔

[illegible] ہوسکتا ہے خود ہی یہ سوچ کر تسلی سے بیٹھ [illegible] اتنے طوفان جھکڑوں میں سفر کرنے کی بجائے [illegible] عارضی طور پر راستے میں کہیں پڑاؤ کرلیا ہوگا۔“ [illegible] بنا کر خود کو اور اسے مطمئن کررہا تھا۔

[illegible] جگہ۔ کتنی ویران سی ہے۔ مجھے تو ڈر [illegible] اگر چور ڈاکو آگئے تو؟“ افزا کی خوفزدہ آواز [illegible] مہروز نے سہولت سے اس کی سمت دیکھا۔

[illegible] ویلوٹ کا کامدار سوٹ ہلکی پھلکی گولڈ کی [illegible] سبز شال سر پر اوڑھے۔ اس کے سفید و گلابی [illegible] سردی کی شدت سے سرخ ہورہے تھے گہری [illegible] سیاہ مخمور آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈورے [illegible] کو بے ایمان کردینے پر آمادہ کررہے تھے‘ سفید [illegible] پھول سے ہاتھ‘ آپس میں رگڑتی ہوئی وہ گھبرائی [illegible] سی کیفیت میں بہت دلفریب لگ رہی تھی اتنی [illegible] کسی بھی شریف عابد و زاہد قسم کے بندے کو بہکنے پہ آمادہ کردے۔

اور وہ تو پھر اس کا شوہر تھا۔ اس کے حسن کے [illegible] خزانوں کا جائز اور واحد حقدار یہ الگ بات تھی کہ شادی کے دو ماہ گزر جانے کے بعد بھی وہ ان خزانوں تک رسائی نہ پاسکا تھا۔ وہ کنوئیں کے پاس پہنچ کر ہنوز پیاسا تھا وہ اسے اس کا حق استعمال نہیں کرنے دیتی تھی جوں ہی قریب آتا کسی نہ کسی حیلے سے بدک کے پرے ہوجاتی یا رونے لگتی دہشت سے بے ہوش ہونے کے قریب ہوجاتی اور وہ ٹھنڈی سانس لے کر قدم پیچھے ہٹالیتا کہ زور و زبردستی کا تو وہ بھی قائل نہیں تھا۔ وہ اسے اس کی رضا سے پانا چاہتا تھا۔

”تو کیا ہوا تمہارے ساتھ ایس پی مہروز بیگ موجود ہے کیا مجال ہے چوروں کو قریب بھٹکنے کی۔ ہاں اگر ماحول سے ڈر لگ رہا ہے تو تم اکیلی تو نہیں ہو تمہارا شوہر تمہارے ہمراہ ہے چاہو تو اس کی بانہوں میں پناہ لے سکتی ہو۔“

وہ اس قدر گہری نگاہ ڈال کر گویا ہوا تھا کہ اتنی سردی میں بھی افزا کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

اس نے جلدی سے نظریں باہر کھڑکی کی طرف گھمالیں دل بری طرح دھک دھک کرنے لگا تھا۔

”مجھے بھوک لگ رہی ہے ٹفن کیریئر پچھلی سیٹ پر رکھا ہوگا اپنے لیے اور میرے لیے کھانا نکال دو اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے نیند لے لیں گے۔“

افزا نے خاموشی سے پچھلی سیٹ سے اسٹیل کا ٹفن کیریئر اٹھالیا۔ اچھا ہی ہوا جو چلتے وقت احتیاطاً کھانا ہمراہ لے لیا تھا ورنہ ساری رات بھوک کے مارے آنتیں قل ھو اللہ پڑھتی رہتیں۔

کھانا کھانے کے بعد مہروز نے اچھی طرح گاڑی کے اگلے اور پچھلے لاک چیک کیے پھر اگلی سیٹ فولڈ کرکے پیچھے جانے کے لیے راستہ بنایا۔ گاڑی کا ہیٹنگ سسٹم آن تھا مگر پھر بھی اواخر دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی یخ بستہ رات میں ٹھنڈک کا تاثر بدستور موجود تھا۔

”آجاؤ تم بھی ادھر اب کسی نہ کسی طرح رات تو گزارنی ہی ہے مل کے گزارا کرلیتے ہیں۔“ وہ پچھلی سیٹ پر پاؤں سکیڑ کر دراز ہوگیا سونے کے لیے یہ جگہ بہت زیادہ آرام دہ تو نہیں تھی مگر موجودہ حالات میں اس سے بہتر انتظام ممکن بھی نہیں تھا سیٹ زیادہ کشادہ تھی اس لیے وہ سہولت سے لیٹ گیا تھا بس لمبائی کے اعتبار سے تھوڑا سا مسئلہ کررہی تھی مگر بہرحال سیٹ پر سکڑ کر بیٹھنے سے تو کہیں بہتر تھا یہ انتظام۔

”آپ سو جائیں میں یہیں ایزی ہوں۔“ اس نے آہستگی سے کہہ کر شال اپنے کندھوں پر پھیلالی تھی۔

”اس طرح اکڑ کر بیٹھی رہنے سے رات کیسے کٹے گی سردی سے ٹھٹھر جاؤ گی۔“

”اسے بدستور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

”افزا گومگو کے عالم میں ہاتھ مل رہی تھی آرام کی ضرورت تو اسے بھی تھی ظاہر ہے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے نیند لینا ممکن بھی نہیں تھا یوں بھی گزشتہ پانچ چھے گھنٹوں سے اسی پوزیشن میں بیٹھ بیٹھ کر کندھوں کے پٹھے درد کرنے لگے تھے مگر اس طرح وہ کیسے اس کے

[illegible]
"مجھے ویسے بھی نیند نہیں آرہی۔"

اس نے نیند سے بے حال ہوتی کیفیت چھپا کر بہانہ بنایا مگر وہ اس کی آنکھوں میں نیند کی طلب، اور چہرے کی تھکن سے تاڑ چکا تھا۔

"بہانہ نہیں چلے گا۔ آجاؤ شاباش۔ بھئی جھجک کیوں رہی ہو ہم ایک دوسرے کے لیے غیر تو نہیں ہیں۔ یوں بھی شرع کی رو سے میاں بیوی ایک دوسرے کا اوڑھنا بچھونا ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے اور آنکھوں میں چھپی شرارت افزا کو نروس کرنے لگی تھی حیا سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" سر جھکا کر اس نے منمنا کر جواب دیا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔ چند گھڑی آرام حاصل کرلو بہتر ہوگا۔"

"جانے کیا بات تھی جب بھی مہروز اس کے قریب آتا تھا وہ گھبرائی ہوئی وحشت زدہ ہرنی کی طرح بھڑک کر پرے ہوجاتی تھی اس کے قرب سے اس پر نزع کا عالم طاری ہوجاتا جانے کیوں یہ کیفیت وہ خود بھی نہ سمجھ پاتی تھی بس اچانک ہی سب کچھ ہوجاتا تھا وہ اس کی قربت برداشت نہیں کرپاتی تھی اسے نزدیک آتے دیکھ کر اس کا رواں رواں نامعلوم سے خوف، تلے لرزنے لگتا تھا۔

افزا نے مڑ کر پچھلی سیٹ پر دیکھا۔ مہروز بے فکری سے سوچکا تھا۔ اس نے ماحول کی دہشت کو محسوس کرتے ہوئے ایک ٹھنڈی خوفزدہ سانس بھری اور آگے کی طرف دیکھنے لگی۔

* .... * .... *

"شکر ہے خدایا میرے بچے خیر خیریت سے گھر پہنچ گئے۔ میں نے ابھی صدیقے کو منڈی بھیجا ہے کالا بکرا لانے کے لیے اپنے بچوں کا صدقہ دوں گی میرے، اللہ پاک نے کرم کیا ہے ورنہ کل اتنے طوفان میں مکان' درخت اور فصلیں تباہ ہوگئے ہیں یہاں تو کتنے ہی گھروں میں رونا پیٹنا پڑا ہوا ہے۔" ماں جی بار بار پوتے [illegible] چوم رہی تھیں۔

وہ لوگ اگلے روز دوپہر کو پہنچے تھے یہاں سب ک حال تھا فیروز بھائی تو بائیک لے کر خود ڈھونڈنے لیے صبح روانہ ہوگئے تھے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پریشا بیٹھا تھا۔

"ہم نے رات گاڑی میں ہی گزاری تھی سفر ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ صبح اٹھے تو آسمان صاف ہوچکا۔ آپ کو اطلاع پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ور کسی طرح بتادیتے۔ میرا دھیان بھی آپ کی طرف ہوا تھا۔"

"ہائے میرے بچے نے کیسے اتنی قیامت کی سرد میں لوہے کے چھوٹے سے ڈبے میں رات کا ہوگی۔" ماں جی بار بار تڑپ کر کف افسوس مل رہی تھیں۔

"نوٹ کرلیں مہروز بھائی آپ کی اتنی شاندار گاڑی کو لوہے کے ڈبے سے تشبیہہ دی جارہی ہے۔" شرارت کا پتلا شہروز اسے برا ماننے کی ترغیب دلا رہا تھا۔ مہروز نے ہنس کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔

"گھونچو...... کچھ کرتے بھی ہو یا نری جگت بازی ہی دکھاتے ہو۔ تمہارے پرچے کیسے ہوئے ہیں بی ایس سی کے؟"

"اے ون مہروز بھائی۔ آپ بے شک بھائی جان (فیروز) سے پوچھ لیں میں نے کتنی محنت کی ہے اس دفعہ۔ البتہ صالحہ بی کا حال پتلا ہے۔ اس بار بھی شاندار نمبروں سے ایف اے میں اڑنے کے چانسز ہیں پچھلے دو سالوں سے کسی نہ کسی پرچے میں فیل ہوکر اگلے سال کے لیے اپیئر ہورہی ہیں اب تو لاسٹ چانس ہے محترمہ کا۔"

"شہروز اور صالحہ میں اللہ واسطے کا بیر تھا۔

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بڑے ابا۔" صالحہ تڑخ کر منہ چڑاتے ہوئے بولی "اس بار میں ضرور کلیئر کرلوں گی دشمن دیکھتے رہ جائیں گے۔" اس کا اشارہ واضح طور پر شہروز کی طرف تھا۔

"اچھا چلو باتیں نہ بناؤ جاؤ دیکھ کر آؤ تمہاری چھوٹی

[illegible] جاگ رہی ہیں یا نہیں۔ [illegible] نے بیٹی کو جھڑک کر [illegible] لگا دیا۔

"اے ہاں۔ بچی کا بخار ٹوٹا یا نہیں؟" ماں جی کو بھی [illegible] ہوئی "وہ جب آئی تھی تو بخار میں جل رہی تھی اور اپنے ہوش میں نہیں تھی۔"

"اے بچے اس کی حالت اتنی خراب تھی تو ایک دو روز رک جاتے ایسی حالت میں اتنے لمبے سفر پہ کیوں [illegible]؟"

"کل تک تو بالکل ٹھیک تھی ماں جی رات میں ہی اچانک بخار چڑھا تھا۔" مہروز نے نظر جھکا کر بتایا۔

وہ ابھی اس سوچ سے نکلا تھا کہ وہ اس سے اتنی گریزاں کیوں ہے؟ ساری رات ٹھنڈ میں ایک ہی سیٹ پر بیٹھی رہی تھی مگر پچھلی سیٹ پر نہیں آئی تھی یہی بے آرامی اسے کے بخار کا سبب تھی اس کے۔ اس درجے گریز کا سبب معلوم ہونا چاہیے وہ سوچے جارہا وہ پچھلے دو ماہ سے اس سے دور بھاگ رہی تھی حالانکہ وہ مرد تھا استحقاق رکھتا تھا طاقت و جرات کی بھی کمی نہ تھی وہ چاہتا تو گریز کے باوجود سے اپنی طرف مائل کرلیتا۔ مگر زور زبردستی تو انسان وہاں دکھاتا ہے جہاں اس کے وحشی جذبے بلا کے منہ زور ہوجائیں۔ یا پھر محبت اور اعتماد میں حد سے گزر جانے کے بعد پیدا شدہ ایک مخصوص بے تکلفی اور مان اس عمل پر آمادہ کرتا ہے مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا وہ اپنے اندر کے مرد کے ہاتھوں اتنا مجبور ہرگز نہیں تھا کہ ایک روتی چیختی چلاتی خوف زدہ لڑکی کو جبراً حاصل کرتا۔

ہاں الجھن اپنی جگہ بدستور موجود تھی۔

وہ اسے چلاتی خوف زدہ لڑکی کو جبراً حاصل کرتا۔

وہ اسے اس کا جائز حق کیوں وصولنے نہیں دیتی تھی۔

کیا چیز تھی جو رکاوٹ بن کر حائل ہوجاتی تھی۔

پہلے پہل وہ اسے فطری حجاب اور شرم سے موسوم کرتا رہا تھا مگر اب وہ کچھ اور سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

وہ اس سے شرماتی نہیں تھی بلکہ خائف رہتی تھی۔ جہاں وہ قریب آتا اس کے چہرے [illegible] کا رنگ متغیر ہونے لگتا تھا۔

وہ اس سے خوفزدہ تھی۔ مگر کیوں؟

وہ اسی کیوں کا جواب معلوم کرنا چاہتا تھا۔

"جی ماں جی۔ اب ان کی طبیعت سنبھل گئی ہے پہلے سے بہتر ہیں صفیہ بھابی دودھ اور ابلے ہوئے انڈے کھلا رہی ہیں انہیں۔" صالحہ نے آکر رپورٹ دی تھی۔

"شکر ہے اللہ کا بچے تم بھی کھانا کھا کر آرام کرلو۔ میرے بچے نے رات بھی سکھ سے نہیں کاٹی۔" ماں جی ہمیشہ سے اس کا اتنا ہی خیال رکھتی آئی تھیں۔

کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو گرمی کا فرحت بخش احساس ہوا کمرے میں انگیٹھی دہک رہی تھی سائیڈ پر بیڈ میں نیلے رنگ کی رضائی میں افزا دبکی ہوئی تھی انگیٹھی سے کچھ فاصلے پر دو قدیم طرز کی آرام کرسیاں تھیں جن کے سامنے ٹیبل رکھا ہوا تھا۔

وہ دروازہ بند کرکے کچھ دیر کے لیے انگیٹھی کے پاس آبیٹھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی تین بجے کا ٹائم ہوگا۔ وہ لوگ ساڑھے بارہ بجے یہاں پہنچے تھے افزا تو آتے ہی بستر پر آرام کے لیے لٹا دی گئی تھی مگر وہ خاندان برادری کے گھروں میں ملنے ملانے نکل کھڑا ہوا تھا۔ پھر واپس آکر کھانا کھانے کے بعد اب فراغت نصیب ہوئی تھی۔

تھکن سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ وہ ایک لمبی پرسکون نیند لینا چاہتا تھا۔ تاکہ تازہ دم ہوسکے۔ تھوڑی دیر تک جسم میں حرارت جذب کرلینے کے بعد وہ دونوں گرم ہاتھ آپس میں رگڑتا ہوا بیڈ کی طرف آگیا۔ بیڈ پر جوتے اتارنے کے بعد قمیض کے اوپری بٹن کھول کر خود کو آرام دہ پوزیشن میں لایا اور نیلی رضائی کے دوسرے کونے کو خود پر درست کرتے ہوئے وہ تکیے پر سر رکھ کر دراز ہوگیا اسی لمحے بائیں جانب لیٹی افزا نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔

"کیسی ہو۔" مہروز نے ایک سادہ نگاہ اپنے بائیں جانب ڈال کر اس کا حال دریافت کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ نظر جھکا کر بولی۔ اس کی پلکیں

کانپنے لگی تھیں۔

"او کے۔ آرام کرو تم بھی۔" مہروز نے کروٹ بدل کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"آپ نے کھانا کھالیا؟" اس کے جھجکے ہچکچائے نادم سے لہجے میں جانے اپنائیت کی کونسی رمز پوشیدہ تھی کہ وہ پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔

"تمہیں میرے کھانے پینے کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے اپنی طرف سے بڑی سادگی سے سوال کیا تھا مگر افزا خود کو شرمندگی کے سمندر میں ڈوبتا محسوس کرنے لگی۔

"کیوں نہیں ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "یہ میرا فرض ہے۔"

"ضرورتیں تو اور بھی ہیں کس کس کو فرض سمجھ کر ادا کروگی۔ حقوق و فرائض کا ذکر نہ کیا کرو۔ حساب لگانے بیٹھوگی تو خود کو شرمسار پاؤگی۔" اس کا لہجہ بہت خشک تھا۔

افزا چپ کی چپ رہ گئی کچھ سوچ کر اس کی مخمور آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے تھے۔ مگر وہ خود پہ قابو پا کے ہونٹ کاٹ کے آہستگی سے رضائی سے نکل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

* ------ * ------ *

"کوکلا چھپاکی۔ جمعرات آئی ہے۔ جس نے پیچھے مڑ کے دیکھا اس کی شامت آئی ہے۔" صالحہ بچوں کے ساتھ مل کر صحن میں کھیل رہی تھی۔

"اے صالحہ میں کہتی ہوں کچھ شرم کرلے یہ تیری عمر ہے بچوں کے ساتھ اچھلنے کودنے کی؟ باز آجا شرافت سے ورنہ فیروز سے کہہ کر جوتے لگواؤں گی تمہیں اور مہروز بھی آنے والا ہے اپنی عصمت مامی کے ہاں گیا ہے اس نے تجھے آسمان سر پر اٹھاتے دیکھ لیا تو خوب خبر لے گا۔" امی صالحہ کے ہاتھوں عاجز آکر سختی سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک ڈھیٹ تھی ہنستی ہوئی ڈانٹ کھاتی اپنے کھیل میں مگن تھی۔

"چھوڑیں خالہ جی یہی عمر ہوتی ہے کھیلنے کودنے کی۔ ساری عیش ماں باپ کے گھر میں ہوتے ہیں۔ اگلے گھر جاکر جب سر پر پڑتی ہے تو سب عقلیں آجاتی ہیں۔" صفیہ بھابی نند کی حمایت میں ساس سے درخواست پیش کررہی تھیں۔

"چھوٹی بھابی جی! آپ کیوں اداسی کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ مہروز بھائی زیادہ دور نہیں ہیں یہاں سے کہیں تو بلا لاؤں عصمت مامی کے ہاں سے کہوں گی آپ کی راج دلاری دلھن آپ کے بغیر بہت بے قرار اور سونی سونی سی لگ رہی ہیں۔ شہروز زمینوں کا چکر لگا کر تھکا ہارا گھر لوٹا تھا مگر زبان ہمیشہ کی طرح تروتازہ تھی افزا اس کی چھیڑ خانی پر سرخ سی ہوگئی۔

"شرارت نہیں چلے گی۔" اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روکتے ہوئے شہروز کے کان کھینچے۔

"ہائے پلیز چھوڑ دیجیے بھابی! صرف دو ہیں یقین کریں۔" وہ واویلا مچانے لگا۔

"اور جو دوسروں کے کھاتے رہتے ہو ان کا کیا حساب کتاب ہے؟" صالحہ کمر پہ ہاتھ باندھ کر ٹھیکیداروں کے سے انداز میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"کیا کھاتا ہے دوسروں کا۔ میارسیدھا سادا بچہ؟" ماں جی کہیں سے نکل کر آئی تھیں پوری بات تو نہیں سنی تھی صالحہ کا فقرہ پکڑ کر ناراضگی سے اسے دیکھتے ہوئے جھٹ پوتے کی حمایت میں بول پڑی تھیں۔

سب ہی بے ساختہ ہنس پڑے۔

"دوسروں کے کان کھاتا ہے اور کیا۔" صالحہ نے فتویٰ جاری کیا۔

"اے بس کرو۔ میرے بچے کو لگائی بجھائی کی عادت نہیں تم کہو شہروز، مہروز تمہارے ساتھ گیا تھا زمینوں پر یا کہیں اور نکلا ہوا ہے۔"

"وہ عصمت مامی کے پاس گئے ہوئے ہیں ان کی بیٹی عظمت سسرال سے ناراض ہوکر گھر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہی وٹہ سٹہ کا چکر ہے۔ عصمت بھی آج کل اپنی بہو زہرہ کو اس کے میکے بھجوانے کا سوچ رہی ہے۔" امی پاس کے پس بیٹھتی ہوئی بتارہی تھیں۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا عصمت سے کہ کچھ دیکھ

سوچ کے ہاں کرے عظمت کے لیے۔" ماں جی متاسف ہوکر بولیں۔

"یہ رشتہ ایسا ہے کہ نہ بھی بناؤ تو بھی وٹہ سٹہ بن کے رہتا ہے۔" وہ مزید بولیں پھر ایک کونے میں چپ چاپ سوچوں میں گم بیٹھی افزا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"اے بچی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے بھاگ لگائے۔ ایسے کیوں بیٹھی ہو میری جان؟" افزا کے چہرے پر بکھرے اداسی کے رنگ صاف دیکھے جاسکتے تھے وہ جیسے ساری ماحول سے کٹ کر کہیں اور کھوئی ہوئی تھی۔

"یونہی ماں جی!" اس نے رخ موڑ کر آہستگی سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے ان کی تسلی کرائی۔

"یہاں دل نہیں لگ رہا ہوگا ہے ناں۔" ماں جی نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "یوں بھی شہری لوگوں کو گاؤں میں بڑی بوریت محسوس ہوتی ہے تم نے کہاں دیکھے ہوں گے گاؤں قصبے ساری زندگی شہر میں گزاری۔ چھٹیوں میں موڈ ہوا تو بادا انگلینڈ، امریکہ یا دبئی کی سیر کرالائے ماحول کا فرق بھی تو ہے ناں۔"

اسی اثنا میں مہروز بھی چلا آیا تھا۔

"آؤ بھئی تم کہاں رہ گئے تھے لوگ تمہارے بغیر بڑے بے چین ہورہے تھے۔" صفیہ بھابی اور مہروز کی شروع سے آپس میں بہت دوستی تھی دوستوں کی طرح بے تکلف تھے یوں بھی صفیہ اس کی چچا زاد تھیں مہروز سے عمر میں صرف ایک آدھ سال بڑی ہوں گی۔

"اچھا۔" اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ افزا پر ڈال کر تمسخر سے کہا اور ماں جی کے پاس بیٹھ گیا جو افزا کی دل داری میں لگی ہوئی تھی۔

"نہیں ماں جی ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ صفائی دے رہی تھی۔

"اے بچی تم بھی کیا کرو یہاں شہر والی باتیں ملتی ہی تو نہیں ہیں یہاں آکر بے آرام ہی ہوتی ہوگی تم کہاں عادی ہو اتنی مشکل زندگی کی۔"

وہ مہروز کی ماموں زاد تھی اور پھر اکلوتی بھی تھی باپ نے بڑے نازوں میں پالا تھا اتفاق سے پچھلے سال ان پر فالج کا اٹیک ہوا وہ اس قدر گھبرا گئے کہ بیٹی کا گھر آباد کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگے انہی ایام میں سلمٰی اپنے بیٹے ایس پی مہروز کا رشتہ لے کر آگئیں وہ سوچ رہی تھیں کہ بھائی شاید صاف انکار کردے کہاں پھولوں میں رہنے والی حسن کی ملکہ افزا اور کہاں دیہاتی ماحول کا پروردہ ایک عام سا ایس پی مگر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب بھائی نے یہ پروپوزل قبول کرلیا۔

"ہاں بھئی۔ یہ جگہ ان کے لائق بھی تو نہیں ہے۔ یہاں صرف ہم جیسے عام سے بندے رہ سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہاں مشکلیں ہی مشکلیں ہوں گی۔" مہروز نے کڑوے لہجے میں کہا افزا کا دل بھر آیا اس نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا اپنے جذبات کی ترجمانی کیسے کرے۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں میری بہو ماشاءاللہ لاکھوں میں ایک ہے۔" سلمٰی نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگالیا۔ "اتنی دولت، نام، پیسے اور عیش و عشرت کے باوجود کوئی نخرہ کوئی غرور نہیں ہے میری بیٹی میں اتنی سادہ سی تو ہے اتنی نیک طبیعت والی بس یہ لمبا سفر اسے راس نہیں آتا۔"

"وہ پھوپو کی شکر گزار تھی جو اس کی حمایت کررہی تھیں مگر مہروز کا ذہن ایک پوائنٹ پر آکر رک گیا تھا ضرور یہی بات ہوگی جو یہ مجھ سے اکتائی اکتائی پھرتی ہے یہ رشتہ اسے پسند نہیں رہا ہوگا اس نے گاؤں کی زندگی کے خواب کیا دیکھے ہوں گے یقیناً کسی میں انٹرسٹڈ ہوگی۔ مگر ماحول کی خواہش اور مرضی اپنی پسند قربان کردی بھلا اتنے امیر کبیر لوگوں سے تعلقات کے مقابلے میں اپنے سیدھے سادے ان کلچرڈ سے دیہاتی رشتہ داروں سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے اس رشتے داری میں کوئی چارم نہیں ہوگا ہاں ضرور یہی بات ہوگی جبھی یوں کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔

مہروز کے اندر دھواں سا بھرنے لگا۔ یہ سوچیں بڑی زہریلی اور دل دکھا دینے والی تھیں۔

کل شریف چاچا کے ہاں نئے دولہا دلھن کی

دعوت تھی ہر چند کہ مہروز نے کہا بھی تھا۔ "چاچی اب تو دو مہینے گزر چکے ہیں بڑے پرانے ہو گئے ہیں ہم رہنے دیں یہ تکلف۔"

"جگ جگ جیو میرے بیٹے۔ اے ابھی کہاں پرانے ہوئے ہمارے وقتوں میں تو سال سال بھر تک دلھن پاؤں زمین پر نہیں دھرتی تھی یوں ہار سنگھار کیے رکھتی جیسے چوتھی کی دلہن ہو میں نے تو بہت پہلے کا سوچا ہوا تھا دعوت کرنے کا مگر اللہ بھلا کرے تم دلہن کو لے کر لاہور چلے گئے جب بھی آئے یا تو دلہن کو ساتھ نہیں لائے یا ایک رات رہ کے اگلے دن واپس ہو گئے میرے ارمان دل میں ہی رہ گئے اب کی بار دو چار دن کے لیے تم گھر پہ ٹکے ہو تو کیوں نہ اپنے چاؤ پورے کروں۔" چاچی کی اتنی چاہت پر وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔

افزا کو دعوت کا بتا چکا تھا۔ شام کو جانا تھا بھابی اسے تیار ہونے کا کہنے آئیں تو خود افزا سے پہلے تیار ہو چکی تھیں ان کے ہاں رواج تھا کہ نئے دلہا دلہن کے ساتھ ساتھ اس کے پورے گھر والوں کی بھی دعوت کی جاتی تھی بچہ، بزرگ، جوان گھر کے سب افراد نئے جوڑے کے ہمراہ کھانے پر بصد اصرار بلائے جاتے تھے سو دوپہر کے بعد سے سب ہی اپنی اپنی تیاریوں میں تھے۔ گھر میں رات کے کھانے کی چھٹی تھی۔

"یہ کیا۔ تم نے زیور تو پہنا ہی نہیں۔ کوئی بھارتی سا سیٹ پہنو۔ نیلے کامدار جوڑے پر بڑا جچے گا۔" صفیہ اسے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہدایت کرنے لگیں۔

"مجھے ہیوی زیور پہننے کی عادت نہیں ہے بھابی کانوں کی جھمکیاں پہن لیتی ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی یہی تو عمر ہوتی ہے میری شہزادی۔" بھابی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلاتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "کچھ عرصے بعد ریں ریں کرتے چنے منے آ گئے تو پھر سارے زیور کپڑے بکسے میں چلے جائیں گے۔"

"بھابی پلیز۔" ان کی شرارتی بات پر وہ حیا سے گلگوں ہو گئی وہ ہنس رہی تھیں۔

"ویسے تمہیں سجنے سنورنے کی کیا ضرورت ہے ماشاء اللہ سادگی میں بھی قیامت ڈھاتی ہو ہمارے مسکین سے بھائی ایس پی کے ضبط کا امتحان خوب لیتی ہو گی اتنے جلوے اتنا حسن وہ غریب کہاں تاب لاتا ہو گا۔"

"کیا برائیاں ہو رہی ہیں میری۔ چلنا نہیں ہے بھئی؟" وہ فریش فریش سا باتھ روم سے برآمد ہوا تھا۔

"ہم لوگ تو تیار ہیں تمہارا ہی کمرے سے باہر قدم رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔" صفیہ اس کا قافیہ تنگ کرنے لگیں دونوں میں بچپن سے انتہا درجے کی بے تکلفی چلی آ رہی تھی حتیٰ کہ بسا اوقات نہ بتانے والی بات بھی ایک دوسرے کو بتا جاتے تھے دیور بھابی کے رشتے سے زیادہ دوستی اور رازداری کا رشتہ تھا آپس کا۔

"کیوں کمرے میں ایسی کیا خاص بات ہے۔" وہ اس کی شریر نظروں سے انجان بن کر پرفیوم اسپرے کرتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"اچھا کوئی خاص بات نہیں ہے۔" صفیہ نے آنکھیں نچا کر اپنے پیارے سے دیور کو دیکھا۔ "ٹھیک ہے پھر ہم خاص بات کو ہمراہ لیے چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ سجی سنوری نیلے جھلملاتے سوٹ میں شعلہ جوالہ بنی افزا کا بازو تھام کر مڑنے کو تھیں کہ وہ راستے میں آ گیا۔

"کیوں؟ اب کیوں گولی کی طرح لپکے ہو۔" صفیہ شوخی سے ہنس رہی تھیں۔ مہروز کان کھجا کر دزدیدہ نگاہ افزا پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اس کو چھوڑ کے تم بخوشی یہاں سے تشریف لے جا سکتی ہو۔"

"واللہ کیا بے مروتی دکھائی جا رہی ہے کمرہ اور دل آباد کرنے والی کیا آئی ہے ہم لوگوں کی موجودگی کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی ہے۔" صفیہ اسے جی بھر کے تنگ کر رہی تھیں۔

"کانٹے کی طرح نہیں کباب میں ہڈی کی طرح کہو۔" وہ برجستگی سے بولا۔ زیر لب مسکراتے ہوئے وہ آئینے کے آگے کھڑا ہو کر بالوں میں برش کر رہا تھا۔

"میں بھی تیار ہوں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں" افزا اس کی نگاہ سے گھبرا کر بھابی کے ساتھ ہی قدم باہر بڑھانے کو تھی۔

"دل تو میرا ابھی یہی چاہ رہا ہے کہ اس بدتمیز کو مزہ چکھانے کے لیے یہی ستم توڑوں مگر مجھے تمہارا خیال آ رہا ہے اتنی پیاری کی "داد" بھی تو وصول کرنا ہو گی میاں جی سے چلو کیا یاد کرے گا یہ ایس پی بھی۔" بھابی باز نہیں آ رہی تھیں شوخی کا عالم متواتر تھا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں ایک ہاتھ سے مڑ کر دوبارہ بند بھی کر دیا تھا افزا پزل سی ہو کر کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی رہ گئی سمجھ نہیں آ رہا تھا باہر کی جانب قدم بڑھائے یا کرسی پر بیٹھ کر مہروز کے تیار ہونے کا انتظار کرے۔

اسی اثنا میں مہروز اس کے قریب چلا آیا دونوں شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کیا اور بھرپور نظروں سے اس کا دلربا سراپا جانچنے لگا۔

"آیئے چلتے ہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔" وہ اس کی نگاہ کی تاب نہ لا کر سر جھکا کر بمشکل تمام دھڑ دھڑاتے دل کے ہمراہ گویا ہوئی۔ "پہلے مجھ سے اس تیاری کی "داد" تو وصول کر لو۔" اس کے لہجے سے آنچ آ رہی تھی۔

"پھر تمہیں بھابی کی بات کا مفہوم بھی تو سمجھانا ہے۔ عملاً" اس کا معنی خیز لہجہ نگاہ سے چھلکتی بے باکی اور انداز سے ٹپکتی جرات افزا کو ہراساں کیے دے رہی تھی۔

رات گئے دعوت سے واپس آئے تو افزا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آتے ہی تیزی سے اپنے کمرے میں چلی آئی جلدی جلدی سب کچھ چینج کیا اور مہروز کے آنے سے پہلے ہی رضائی میں گھس کر سوتی بن گئی۔ یہی واحد طریقہ تھا مہروز کی شوخیاں اگلتی گستاخ ارادوں کا پتا دیتی گرم نگاہوں سے بچنے کا۔

مہروز کل صبح روانگی کا پروگرام بنا رہا تھا سبھی موقعہ غنیمت سمجھ کر ساری باتیں آج ہی بتا دینے پر تلے ہوئے تھے کہ کل وہ چلا جاتا۔

کافی تاخیر سے وہ کمرے میں لوٹا تو وہ رضائی تان کر سونے سے مشغل فرما رہی تھی۔ مہروز نے قریب آ کر ایک دوبار آوازیں دیں پھر اسے بے سدھ پڑے دیکھ کر مایوسی سے پیچھے ہٹ گیا سانس روکے پڑی افزا نے کتنی ہی دیر کا رکا ہوا سانس بحال کیا اور آہستگی سے کروٹ بدل لی۔

* .... * .... *

ماں جی نے صبح اسے افزا کے ارادے سے باخبر کیا تو وہ کتنی ہی دیر حیرانی سے ان کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

افزا کہہ رہی ہے وہ کچھ دنوں کے لیے یہیں رہنا چاہتی ہے ایسا کرو تم اسے یہاں ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔ اگلے ہفتے آؤ گے تو ساتھ لے جانا اس بہانے ہمارے بھی ارمان پورے ہو جائیں گے۔ تمہاری دلہن کو اس آنگن میں چلتے پھرتے دیکھنے کا خواب پورا ہو جائے گا۔

"مگر وہ یہاں رہ لے گی؟" وہ ہنوز بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا بھلا اتنی نازک طبع شہری ماڈرن کلاس سے تعلق رکھنے والی پڑھی لکھی لڑکی اس پسماندہ سے قصبے میں ہفتہ کیسے بسر کر سکتی تھی۔

"اس نے خود شوق سے ارادہ بتایا ہے اسے چاؤ ہے یہاں کی زندگی دیکھنے کا اپنی خوشی سے رہنے کو تیار ہے۔ تمہیں اعتراض ہے کیا۔"

"نن... نہیں۔" وہ ہڑبڑا کر بولا۔ "اگر شوق سے رک رہی ہے تو ضرور ٹھہر جائے۔" وہ سفری بیگ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر ملنے ملانے کی غرض سے اندر آیا سب سے الوداعی ملاقات کرتے ہوئے اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں صفیہ بھابی اس کی نظروں کا مفہوم پا کر بولیں "وہ میرے کمرے میں پپو کو سلا رہی ہے۔"

مہروز بھابی کا نظر سے شکریہ ادا کرتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہو گیا وہ شریر سے پپو کو تھپکیاں دے کر سلا رہی تھی آہٹ پر مڑی اور اسے موجود پا کر اس کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہونے لگا۔

"کیا اس درجہ ڈر لگتا ہے ہم سے کہ ہمراہ چلنا دو بھر

ہو گیا ہے؟" وہ مقابل آکر بغور اس کا چاند سا روشن چہرہ دیکھتے ہوئے متبسم سا پوچھ رہا تھا افزا نے گھبرا کر سر جھکالیا اور دونوں ہاتھوں کو آپس میں الجھا کر اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"اتنی بڑی گستاخی تو نہیں کی تھی جو دوری کی سزا دینے پر آمادہ ہو گئی ہو۔" مہروز کا ذو معنی کھلکھلاتا وارفتہ و پیوستہ انداز گفتگو اس کے حواس متحمل کیے دے رہا تھا وہ سٹپٹا کر رہ گئی مہروز اس کے یہاں قیام کے فیصلے کا پس منظر سمجھتا تھا یقیناً اس کی بہکی بہکی حرکات سے خوفزدہ ہو کر یہ ارادہ باندھا تھا۔ مہروز اس کی پزل سی کیفیت سے بہت لطف لے رہا تھا۔

"بولو ناں۔ مجھ غریب پر اتنا ظلم کیوں کر رہی ہو اتنا بھی نہ ستاؤ وہ شریر سے انداز میں اس کا حیا سے بوجھل ہوتا جھکا ہوا سر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا وہ اڑے اڑے حواس مجتمع کرتے ہوئے کمرے سے نکلنے کو تھی کہ مہروز اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"خدا حافظ نہیں کہو گی؟" ان معنی خیز نظروں کے وارفتہ شرارے اسے جھلسائے دے رہے تھے۔

"خدا حافظ۔" وہ بمشکل تمام آہستگی سے کہہ کر جانے کو پر تولنے لگی۔

"اس قدر روکھا پھیکا خدا حافظ۔" اسے جیسے سخت افسوس ہوا۔ "بھئی اچھی بیویاں تو سنا ہے بڑے لارڈ پیار اور والہانہ انداز میں شوہر کو خدا حافظ کہا کرتی ہیں لگاوٹ کا اظہار کرتی ہیں جلد آنے کا وعدہ لیتی ہیں اس کے پیار کے ستارے آنچل میں بھرتی ہیں۔" مہروز کے گمبھیر ذو معنی لہجے میں چھپی شوخی اور نظروں کی سرکشی افزا کے دل کی دھڑکنیں اچھل پچھل کرنے لگی اس کی رگ رگ میں حیا سے حشر برپا ہونے لگا تھا۔

"آپ مجھے اتنا کیوں ستاتے ہیں؟" وہ روہانسے انداز میں شکایتی نگاہ ڈال کر آخر کار دھیرے سے کہہ اٹھی۔

"ہم آپ کو ستاتے ہیں؟؟ واللہ اس سے بڑھ کر عظیم بہتان ہم پر کوئی بھی نہیں لگا ہو گا یعنی کہ ہم ہی ستم بھی سہیں اور ہمیں ہی ستمگر بھی بنادیا جائے واہ صاحب خوب انصاف ہے آپ کا ارے بی بی ہم تو خود آپ کی نظر کرم کے محتاج ہیں۔ اشارہ ابرو کے غلام ہیں دیکھ لو دل کے مچلتے تقاضوں پر بند باندھ کر ہنوز پابند ضبط کھڑے ہیں۔"

"افوہ۔" مہروز کی نگاہ میں جیسے جذبات کے الاؤ دہک رہے تھے وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اس کو دھکا دے کر کمرے سے باہر نکل بھاگی تھی۔ اس کی حیادار فطرت اس سے زیادہ تاب نہیں لاسکتی تھی۔

"اوہو کہاں بھاگ رہے ہیں لوگ۔ غریب پردیسیوں کو ستایا جارہا ہے بری بات۔ مجازی خدا کو تنگ نہیں کرتے۔"

اور افزا ایک بار پھر لالو لال ہونے لگی۔ وہ تو وہ صفیہ بھابی بھی بے باکی میں کچھ کم نہ تھیں اور اگلے پورے ہفتے میں انہوں نے اسے مہروز کے حوالے سے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کردیا تھا مہروز کی غیر موجودگی میں کسر پوری کر رہی تھیں وہ ان کی کھلی ڈلی گفتگو کے جواب میں حیا سے ساکت بیٹھی سمٹی سمٹی سی ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ بھابی اس کی کمزوری سے واقف تھیں سو اور بڑھا چڑھا کر فقرے کستیں شرارتیں کرتی تھیں۔

ایک ہفتہ گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا احمد پور میں دلچسپی کے اتنے سامان تھے کہ بوریت اس کے پاس بھی نہ پھٹکی تھی بلکہ مہروز کی چوبیں گھنٹے وجود کا احاطہ کرتی گہری نظروں کے حصار سے دور رہ کر وہ خود میں حد درجہ خوشگواریت تازگی اور اعتماد محسوس کرنے لگی تھی۔ مہروز کا قرب اسے مرجھا دیتا تھا۔ اس کی استحقاق بھری نگاہ اس کے وجود میں کرنٹ دوڑا دیتی تھی اس کا لمس اسے وحشت زدہ کردیتا تھا۔ حالانکہ وہ خود پر کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کرتی تھی چاہتی تھی کہ مہروز کو انکار نہ کرے مزاحمت نہ کرے مگر جیسے کوئی نادیدہ احساس اسے کچوکے لگانے لگتا تھا وہ اپنی کیفیت کے ہاتھوں خود پریشان ہوجاتی تھی۔

کوئی خوف تھا کوئی وحشت زدہ احساس، کوئی اذیت ناک روگ، جو اچانک بھڑک اٹھتی تھی۔

ایسا کیوں ہوتا تھا؟ وہ خود نہیں جان سکی تھی مگر یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ سب کچھ اس کے اختیار میں نہیں تھا وہ چاہتی بھی تو مہروز کے لیے جسم و جاں کے دریچے وا نہیں کرپاتی تھی۔

"کوئی تھا جو درمیان میں موجود تھا۔

"کون؟"

یہ بات کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

✳ .... ✳ .... ✳

"مہرو چاچا آگئے ہرا۔" پپو اور گڈو نے شور مچا مچا کر صحن سر پر اٹھالیا تھا۔ وہ جو صحن میں برپا شور شرابے کو سن کر دوپہر کی نیند لیتے ہوئے اپنی جھونک میں اٹھ کر ادھر آئی تھی ٹھٹک کر رک گئی۔

"کیا حال ہیں؟" اس نے سلام کرنے میں پہل نہ کی تو مہروز خود ہی آغاز کرتے ہوئے بھرپور نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سوتے سے اچانک بیدار ہوئی تھی آنکھوں میں کچی نیند سے جاگنے کا گلابی خمار سیاہ چمکیلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے ہلکے سبز اور سرخ پرنٹ کے کاٹن کے ملگجے سے سوٹ میں وہ بے خبری میں بغیر دوپٹے کے باہر چلی آئی تھی خیال تھا کہ بچوں میں صحن میں کھیلتے ہوئے لڑائی ہو گئی ہے۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ نظر چرا کر گھبراہٹ کے عالم میں بولی۔ مہروز پولیس یونیفارم میں پی کیپ پہنے ہوئے بڑا بارعب اور کڑیل جوان لگ رہا تھا۔

پھر مہروز بچوں کو گود میں لے کر گالوں پہ پیار کرنے کے بعد نیچے اتار کر اس کی طرف چلا آیا۔ بچے چاکلیٹ اور ٹافیوں کے پیکٹ کھولنے میں مگن تھے۔

افزا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"افزا چاچی۔ آپ کو بھی چاچا پیار کرنے کے بعد چاکلیٹ اور ٹافیاں دیں گے دیکھیں ہمارے لیے بھی لائے ہیں۔" پپو نے بڑی معصومیت سے افزا کے سٹپٹائے ہوئے انداز دیکھ کر گویا اپنی دانست میں اسے تسلی کرائی تھی۔

مہروز وہیں رک کر ٹھٹک کر ایک لمحے کو بچے کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

"سبحان اللہ۔" مہروز ایک دم ہنس دیا۔ "یار تو تو اپنا بھی استاد ہے پپو کچھ عقلیں اپنی چاچی کو بھی سکھادیا کر کیا خیال ہے بھئی چاکلیٹ تو تمہیں بھی بہت پسند ہیں اور میرے پاس ابھی دو پیکٹ بیگ میں مزید پڑے ہوئے ہیں ان کے حصول کے لیے پپو کی آزمودہ ترکیب استعمال کرو تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔" اسے مہروز کی مسکراتی نظروں سے حیا آنے لگی۔ سرخ چہرہ لیے غیر محسوس انداز میں وہ پیچھے ہو گئی تھی۔

"ماں جی اور امی کدھر ہیں؟" مہروز نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ساتھ کے گاؤں میں کوئی فوتگی ہو گئی ہے ادھر گئی ہیں شام تک آئیں گی۔"

"اور صفیہ بھابی؟"

"وہ عصمت ممانی کے ہاں گئی ہیں عظمت نے بلاوا بھیجا تھا۔" وہ تفصیل بتا کر یہاں سے کھسکنے کو تھی کہ وہ اس کا ارادہ جان کر راستے میں آگیا۔

"پھر تو آپ سے اچھی طرح ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

جونہی افزا مڑنے لگی تو مہروز نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ حیا سے مڑنے والی ہو گئی تھی۔

"بچو...... تم لوگ ادھر صحن میں کھیلو۔ باہر نہیں جانا ہم ادھر کمرے میں ہیں۔" وہ بچوں کو کھیل میں مگن دیکھ کر ہدایت دیتا ہوا یونہی اسی طرح اس کا بازو تھامے کمرے میں چلا آیا اور آتے ہی بیڈ کی طرف لے گیا۔

"بیٹھو جانم۔ ذرا تم سے بھی "گپ شپ" ہوجائے تمہاری صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔" وہ اسے بیڈ پر گرا کر دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کے اس کے چہرے پہ جھک گیا۔

"بہت تڑپاتی ہو تم۔" اس کی مخمور نظریں افزا کے ہوش ربا حسن کی بھول بھلیوں میں گم تھیں۔

"کیا ملتا ہے تمہیں مجھے ترسا کر۔ بولو۔"

گرم گمبھیر سرگوشیاں افزا کی سماعتوں کو جھلسائے جارہی تھیں۔

"چھوڑیے مجھے پلیز۔"

وہ اس کے نگاہ و دست کے بہکے انداز محسوس کرتے ہوئے بکھرے ہوئے حواس لیے گزارش کررہی تھی۔

”کبھی اس ایک سڑے ہوئے جملے کے علاوہ بھی کچھ بول دیا کرو۔“ مہروز نے اس کی ناک کی پھننگ چھوتے ہوئے پیار سے بالوں کی لٹ کھینچ کر کہا تھا مہروز کے جنون خیز تیور اور دیوانہ پن اسے سہمائے ڈال رہا تھا چھوڑیں نا۔ پلیز۔“ وہ مہروز کے آہنی ہاتھوں سے الجھتی ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مسلسل جدوجہد اور بے بسی نے چہرے پر روہانسے تاثرات ثبت کردیے تھے مہروز اس کی بے ضرر اور بچکانہ مزاحمت پر محظوظ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”مجھ سے ڈرتی کیوں ہو میں تمہارا شوہر ہوں تمہارا والی وارث تمہارا مالک تمہارا سب کچھ میرا ہی تو ہے یہ پھولوں جیسے ہاتھ تمہاری ہنسی تمہاری محبت حتیٰ کہ تمہارے یہ آنسو بھی میرے ہیں۔“ مہروز نے اپنی مضبوط انگلیوں سے اس کے آنسو چن لیے۔

وہ اس کے بہت قریب جھکا ہولے ہولے عالم بے خودی میں بھاری مخمور سے لہجے میں التجا کررہا تھا۔

افزا کو لگا جیسے وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں چیخ کر ٹوٹ جائے گی ریزہ ریزہ ہوکر فضاؤں میں بکھر جائے گی جوں جوں مہروز کے جذباتی انداز شدت اختیار کررہے تھے اسی رفتار سے افزا کے حواس اس کا ساتھ چھوڑتے جارہے تھے۔

برسوں پہلے کے کچھ نامانوس سے اذیت ناک احساسات تصور کی دہلیز پار کرنے لگے۔

”کسی کے کھردرے تند وحشی ہاتھوں کا سفاک اور بے رحم لمس اور خوف واذیت کی انتہا کو چھو کر افزا کا بے ہوشی کی سرحد میں چھونا۔

”اوہ خدایا۔“ اسے جھرجھری سی آگئی۔

”چھوڑدو۔ چھوڑدو مجھے اللہ کے واسطے مجھے چھوڑدو۔“ اگلا لمحہ قیامت کا تھا افزا کی دیوانہ وار ہذیانی چیخوں سے سارے گھر کی فضائیں جھنجھنا اٹھی تھیں مہروز نے گھبرا کر فوراً اسے چھوڑ دیا اگلے ہی لمحے دروازے پر تابڑتوڑ دستکیں ہورہی تھیں ماں جی امی اور صفیہ بھابی اس کی چیخیں سن کر ہول کر کمرے کی طرف دوڑ پڑی تھیں وہ ابھی ابھی واپس آئی تھیں۔

* ...... * ...... *

گاؤں سے لاہور واپس آئے بھی ایک عرصہ بیت گیا تھا مہروز کے گرد مصروفیات کا ہالہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جارہا تھا صبح کا نکلا شام گئے گھر لوٹتا تھا مگر افزا کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

وہی گپ چپ سی سرد وسپاٹ چہرے والی خوفزدہ لڑکی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔

پہلے پہل مہروز مروتاً اس سے دوچار باتیں کرلیا کرتا تھا مگر اب تھک ہار کر وہ بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ چکا تھا اس روز احمد پور میں اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر وہ سنجیدگی سے یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ افزا کے ساتھ کچھ ذہنی یا نفسیاتی مسئلہ ہے وہ دوبارہ اس سے بے تکلف نہیں ہوا تھا اگلے روز اس کی حالت سنبھل جانے کے بعد اسے لے کر لاہور چلا آیا تھا گاؤں میں تو گھر والوں کے طفیل دوچار باتیں یا دو گھڑی کی قربت نصیب ہوجاتی تھی مگر یہاں دونوں ایک دوسرے سے لاتعلق ہوکر رہتے افزا الگ کمرے میں سوتی تھی۔ مہروز ڈیوٹی سے لوٹتا تو بوڑھی ملازمہ ثریا اس کے لیے کھانا لگادیتی۔ افزا کا موڈ ہوتا تو ٹیبل پر آجاتی وگرنہ اپنے کمرے میں منگوالیتی تھی کھانا کھا کر مہروز اپنے بیڈ روم میں آجاتا ٹی وی دیکھتے ہوئے یا فائلوں کا مطالعہ کرتے کرتے تھک کر لائٹ آف کرکے سوجاتا بس یہی معمولات تھے دونوں کے۔

اس روز وہ کچھ جلدی آگیا تھا طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی عجیب کسلمندی سی چھائی ہوئی تھی۔ شاید فلو کی آمد آمد تھی۔ ٹمپریچر بھی ہورہا تھا۔

ثریا اس کی ہدایت پر چائے بنا کر لائی تو صاحب کا بغور جائزہ لیتی ہوئی ہمدردی کے مارے بیگم صاحبہ کے پاس چلی آئی۔

”وہ جی صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے آپ مناسب سمجھیں تو ان کا حال پوچھ لیں ان کے پاس دو گھڑی کو بیٹھ جائیں میرے بیٹے کو گاؤں جانا ہے، اپنی دادی کی خبر لینے وہ جی میں آج جلدی گھر جانا چاہتی ہوں۔“ وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی افزا مہروز کی بیماری کی خبر سن کر پریشان ہوگئی اللہ خیر کرے کیا ہوگیا۔ اسے قدرتی طور پر تشویش ہورہی تھی۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ وہ آہستگی سے چپل پاؤں میں ڈالتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شام کے سائے گہرے پڑتے جارہے تھے وہ باہر کوریڈور کی لائٹس جلا کر ہچکچاتے ہوئے مہروز کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

مہروز چت بستر پر دراز تھا گرمی کا احساس اس قدر شدید تھا کہ شرٹ اتار کر سائیڈ پر ڈال دی تھی چہرہ تمتما رہا تھا توانا کسرتی گندمی رنگت والے طاقتور بازو سینے پر باندھے آنکھیں بند کیے نڈھال سا پڑا ہوا تھا بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

افزا دھڑکتے دل سے ہولے ہولے قدم اٹھاتی اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوگئی۔

”آ۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟؟“ بڑی ہمت کرکے مخاطب ہوتے سمے افزا بڑی طرح بوکھلا رہی تھی۔

مہروز نے آنکھیں کھول کر متحیر نظروں سے اس کی طرف دیکھا اس کا چہرہ گھبراہٹ اور سراسیمگی کا اشتہار بنا ہوا تھا پلکیں تیز تیز جھپکاتی انگلیاں مروڑتی وہ اپنے نروس ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

”کک۔ کچھ چاہیے تو نہیں......؟“ اسے تادیر خاموش نظروں سے جائزہ لیتے دیکھ کر وہ بمشکل کہہ پائی۔

مہروز نے ایک گہری سانس لے کر چبھتی ہوئی کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

”کیا دے سکتی ہو تم مجھے۔“ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ افزا جلدی سے نگاہ کترا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی وہ بے بسی کے مارے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے رگڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے چمکدار پانی کو دیکھ کر مہروز کا دل پسیج گیا قدرے نرمی سے گویا ہوا۔

”بے وقوف۔ خود بھی کبھی کچھ سمجھ لیا کرو میرا سر دبادو بہت درد ہورہی ہے۔“ افزا کی روح فنا ہونے لگی۔ اس کے بستر کے سرہانے بیٹھتے ہوئے وہ پوری جان سے کانپ رہی تھی اس کے ٹھنڈے یخ ہاتھ گرم دہکتی ہوئی پیشانی سے چھوئے تو ٹھنڈک کی فرحت بخش لہر مہروز کے اندر تک سرایت کرگئی وہ اپنی طرف سے پورا دباؤ ڈال کر سر دبانے کی کوشش کررہی تھی مگر اس کی پسینے میں بھیگی نم آلود انگلیوں کا نرم وگداز لمس مہروز کو پھولوں سے بھی سبک تر محسوس ہورہا تھا یوں جیسے کوئی ریشمی کپڑا پیشانی سے مس کررہا ہو مہروز کے بھرپور وجود کی حد درجہ قربت کی تپش افزا کے جسم و جاں میں سنسنی پیدا کررہی تھی۔

کچھ دیر تک مہروز بے حس وحرکت آنکھیں بند کیے دنوں بازو سینے پر باندھے اس کے نازک ہاتھوں کی اپنے سر اور پیشانی کے آس پاس حرکت محسوس کرتا رہا پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا ایک ہاتھ اپنے پرحرارت مضبوط مردانہ سینے پر رکھ لیا اس کے لمس میں محبت اور اپنائیت کی گرمی تھی افزا کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا یوں لگا جیسے ننگی تاروں پر ہاتھ پڑگیا ہو ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچنا چاہا۔

”چھوڑیئے مجھے۔“

مگر اس کے احتجاج کے جواب میں ادھر سے جیسے ایک طوفان سا ابل پڑا۔

”تڑاخ۔ تڑاخ تڑاخ۔“ طاقتور وحشی ہاتھوں کے زناٹے دار تھپڑ اس کے گلاب رخساروں کو لہو رنگ بناگئے تھے اس کا مسلسل انکار گریز اور مزاحمت مہروز کی انا پر بھاری پتھر کی طرح آکر لگتا تھا وہ ضبط کرتا رہا تھا مگر تابکے۔ کبھی تو پیمانہ چھلکنا ہی تھا۔

وہ گزشتہ چار ماہ سے اس کی توہین کررہی تھی اس کی خودداری اور عزت نفس پر حملہ کررہی تھی اس کی انا اور غیرت پر کوڑے برسا رہی تھی جب جب بھی وہ اس سے اپنا آپ چھڑاتی مہروز ذلت کے احساس سے جنونی سا ہونے لگتا تھا مگر پھر بھی اپنا جنون اس سے

چھپائے ہوئے تھا درگزر سے کام لے کر اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتا تھا۔

مگر اب تو انتہا ہی ہو گئی تھی چار ماہ کم تو نہیں ہوتے۔

"اگر تمہیں اتنا ہی ناگوار خاطر تھا یہ بندھن تو اپنے باپ کے حکم کے آگے سر کیوں جھکایا تھا بول دیا ہوتا کہ تمہیں کوئی اور شخص پسند ہے تمہیں میرا ساتھ قبول نہیں مجھے کیوں عالم برزخ میں پہنچا رکھا ہے۔"

اس کے آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑنے پر افزا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا وہ ڈرے ڈرے خوفزدہ انداز میں تھر تھر کانپتی ہوئی ایک ٹک اس کی غضبناک صورت دیکھتی رہی گئی۔

"ایک ثانیے کو جیسے وہ پتھرا سی گئی اتنا قبیح اور صریحا" جھوٹا الزام مہوز کے لہجے میں چٹختے انگارے افزا کی روح کو جھلسا گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ غلط ہے۔" وہ بھرائے ہوئے اٹکتے کمزور لہجے میں احتجاجا" دبے انداز میں چیخ پڑی وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا وہ بلک پڑی۔

"میری کوئی پسند نہیں تھی میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔" وہ رو رو کر صفائیاں دے رہی تھی آنکھوں سے جھڑی ہی لگ گئی تھی گویا مہوز کتنی ہی دیر بت بنا اسے آہ وزاری کرتے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے دیکھتا رہا سوچتا رہا۔

یہ سب کیا تھا کیا ہو گیا تھا کیسے ہو گیا تھا؟

وہ پشیمان سا اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔

وہ گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا پھر فکر مندی سے انگلی کنپٹی پر بجاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا معاملہ اس کی سوچ سے کہیں زیادہ سنگین تھا اگر اسے کوئی پسند نہیں تھا اگر وہ شہری زندگی پر گاؤں کی زندگی کو ترجیح دیتی تھی اگر وہ اپنی رضا سے اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی اگر وہ موجودہ صورتحال میں خوش تھی تو پھر یہ کیا تھا؟ یہ گریز، دوری، محرومی۔"

وہ جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا چلا جا رہا تھا۔

"کہیں اس رد عمل کے پیش نظر کوئی ماضی کا واقعہ تو نہیں؟"

اس کا خیال جانے اسے کہاں کہاں تک بھٹکا رہا تھا۔

کمزوری اور نقاہت نے اس کے تھکے ہوئے پژمردہ اعصاب پر مزید بوجھ بڑھا دیا تھا جانے کب یونہی خود سے الجھتا وہ غنودگی میں چلا گیا۔

پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا جب اپنے پاؤں پر ٹھنڈے ٹھنڈے شبنمی لمس کو محسوس کرتے ہوئے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

پھر جیسے وہ ششدر سا رہ گیا۔

افزا اس کے پاؤں پر رکھے پشیمانی کے آنسو بہا رہی تھی۔

"افزا۔۔۔" مہوز کے دل سے ساری بدگمانیاں جاتی رہیں تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

"یہ کیا حماقت ہے افزا۔" اس نے اس کے مرتعش وجود کو ہاتھوں سے سہارا دیتے ہوئے نرمی سے اٹھایا لہجے میں حلاوت تھی۔

"مہوز۔" افزا بلکتے ہوئے ایک دم ٹوٹ کر اس کے سینے سے جا لگی۔

"میری جان۔ میری زندگی۔" مہوز نے سے اپنے پرحدت سینے سے بھینچ لیا اس وقت وہ صرف اور صرف اس کا محبوب شوہر تھا اس سے پیار کرنے والا اس کا خیال رکھنے والا اس پر جان نچھاور کرنے والا۔

"بری بات۔ اس طرح نہیں روتے۔" اس کے گالوں پر چپکی بھیگی لٹیں ہٹاتا ہوا وہ بہت محبت سے بولا تھا۔

"میں کیا کروں مہوز۔ میں۔۔۔ میں بہت بے بس ہوں۔ یقین کیجیے۔" بے بسی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا اشکوں سے تر چہرہ اس کے سینے سے رگڑا یہاں اس کی پرتپش گرفت میں کتنا سکون اور تحفظ تھا مگر ایک روح فرسا تصور قربتوں کے آس پاس آکر بھٹکا دیتا تھا۔

"میں آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں آپ کی چھایا میں سکون کی نیند لینے کی تمنا رکھتی ہوں مگر جونہی میں آپ کی طرف بڑھتی ہوں کوئی بیچ میں حائل ہو جاتا ہے

ایک ایسا احساس میرا دامن پکڑ لیتا ہے جس کی بھیانک تصور مجھے لرزا لرزا دیتی ہے مجھے معاف کر دیجیے مہوز مجھے احساس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو کتنی تکلیف اور کوفت اٹھانا پڑتی ہے۔ آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے مجھے پتا ہے مگر اس کے روہانسے انداز پر بے ساختہ مہوز کو پیار آنے لگا۔

"ٹیک اٹ ایزی۔" مہوز نے اس کی ریشمی زلفوں کو سہلاتے ہوئے شیریں لہجے میں تسلی دی۔

"غلطی تو مجھ سے بھی ہوئی ہے مجھے تمہارا مسئلہ اور تمہاری ذہنی کیفیات کو مد نظر رکھنا چاہیے تھا۔ بیوی کی اپنی رضا بھی تو شامل ہونا چاہیے شادی محض ایک فریق کی جذباتی تسکین کا سبب نہیں ہوا کرتی۔ دوسرے فریق کی خوشی رضا اور سپردگی بھی برابر اہمیت کی حامل ہوتی ہے مجھے یقین آگیا ہے کہ تمہارے گریز میں تمہاری ارادی کوشش کا دخل نہیں ہے۔ تمہارے لاشعور میں کلبلاتی کوئی اذیت ناک بات رکاوٹ بن کر راستے میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ میرے ایک جاننے والے بڑے اچھے ماہر نفسیات ہیں ڈاکٹر واسطی میں کل ان سے رابطہ کرتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلنا وہ اس نفسیاتی گرہ کو کھولنے میں ہماری مدد کر سکیں گے۔"

مہوز رسانیت سے بول رہا تھا اور افزا کے اندر اطمینان کی لہریں موجزن ہونے لگیں۔

"میاں بیوی ایک دوسرے کے دوست بھی تو ہوتے ہیں سوری یار میں اس نکتے کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ پہلے شناسائی، پھر دوستی اور پھر پیار و محبت سے گزر کر جسمانی وابستگی کی باری آتی ہے واقعی مجھے ذرا صبر و تحمل اور ضبط سے کام لینا چاہیے تھا۔" مہوز شرمندہ اور نادم سا تھا۔

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں مہوز۔" وہ خفت اور ملال سے سر جھکائے دھیرے سے کہنے لگی۔ "اپنے فرائض سے پہلو تہی تو میں کر رہی ہوں شرع کی رو سے جو بیوی شوہر کے بلاوے پر انکار کر دے فرشتے ساری رات اس پر لعنت ملامت بھیجتے رہتے ہیں اور میں۔"

وہ پھر سسک پڑی۔ مہوز اسے حوصلہ دیتے ہوئے تھپکنے لگا۔

"تم کون سا جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہو غلطی کا احساس و ادراک تو بذات خود ایک نیک فعل ہوا کرتا ہے۔ تم اپنے فرائض سے باخبر ہو مگر اپنی جگہ مجبور ہو کسی کی مجبوری سے کھیلنا انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔" دونوں کے دل ایک دوسرے کی محبت، قربت اور والہانہ پن سے معمور تھے۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب۔" افزا کو فوراً ہی اپنی کوتاہی کا احساس ہو گیا تھا ایک تو بچارے اتنے بیمار ہیں اوپر سے میں انہیں پریشان کرنے پر تلی ہوئی ہوں اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

"اب کافی بہتر ہوں۔ فکر نہیں کرو چلو آرام سے آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔" مہوز نے سامنے لگے وال کلاک پر سوئیاں تین اور چار کے درمیان گردش کرتے دیکھ کر پرخیال انداز میں کہا۔

اور۔۔۔ اور عین اسی لمحے دونوں کو احساس ہوا کہ وہ بیڈ پر ایک دوسرے کے کتنے نزدیک ہیں حد سے سوا قربتوں کی زد میں ہیں۔

وہ مہوز کے بازوؤں میں قید تھی۔ مہوز کی گرفت میں جذباتیت کی شدت کی بجائے خلوص کی گرمی، اپنائیت کی نرمی اور دوستانہ لطافت تھی اسی لمحے دونوں کی نظریں ملیں ایک میں شرارت تھی اور دوسرے کی نگاہ میں شرمیلی کیفیت ڈول رہی تھی افزا نے سٹپٹا کر پلکیں گرا لیں۔

مہوز ہنس پڑا اور پھر شوخی سے اس پر جھکا۔

"جی نہیں۔ زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔" افزا نے لجا کر اس کے سینے پر ہلکا سا گھونسہ مارتے ہوئے اسی کے وجود میں اپنا آپ چھپا لیا۔

"اسے کہتے ہیں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔" وہ دانستہ اس کو تنگ کر رہا تھا۔

"مجھے آپ پر بھروسا ہے۔ آپ یقیناً مجھ پر ظلم نہیں کریں گے۔" وہ مخمور آنکھیں گھماتے ہوئے ناز سے بولی۔

"اور جو ظلم تم مجھ پر روا رکھے ہوئے ہو اس کا حساب کون دے گا؟ جادو گرنی ہو پوری۔" مہوز نے اس کی ناک کھینچی۔ "کیسے مجھ پر قبضہ کیے بیٹھی ہو لوگ ایس پی مہوز بیگ کی آواز سن کر دہشت زدہ ہو جاتے ہیں اس کے روبرو تھر تھر کانپ رہے ہوتے ہیں اور ادھر گھر میں ایک چھوٹی سی کانچ سے بنی سفید و گلابی گڑیا نے مجھے قید کر رکھا ہے اس کے حکم کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا۔"

مہوز کا بے خود وارفتہ لہجہ کانوں میں رس ٹپکا رہا تھا۔ افزا جیسے سانس روکے اس کا ایک ایک لفظ امرت سمجھ کر سماعتوں میں انڈیل رہی تھی۔

"مہوز۔" اس نے بڑے دل کھینچ لینے والے انداز میں پکارا تھا لہجے میں کھوئی کھوئی سی کیفیت نمایاں تھی یوں جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"کیا سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں اتنے فراغ دل نرم خو، خیال رکھنے والے اور مہربان۔"

"دیکھو پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔" اس نے تدبر سے سمجھایا۔ "اس لیے حتمی طور پر کوئی رائے دینا ممکن نہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے تمام عورتیں تمہاری طرح کی نہیں ہوتیں۔ اپنے ہی سائے سے گھبرانے اور شرمانے والی سادہ دل اور بھولی بھالی۔"

مہوز نے پرشوق نگاہ اس پر ڈالی وہ تاب نہ لایا کر اپنی گداز ہتھیلیاں اس کی شوخ آنکھوں پر رکھ کر شرماتے ہوئے گویا ہوئی۔

"آپ مجھے اس طرح نہ دیکھا کریں۔" بڑا سمٹا سمٹا سا انداز تھا مہوز کو اس کے لجانے کی یہ ادا بہت بھائی۔

بخش دینا پیار کی گستاخیاں
دل ہی قابو میں نہیں ہم کیا کریں

وہ گنگناتے ہوئے لطیف سی شرارت کر گیا۔ وہ یکدم لال ہوگئی۔

"آ... آپ بہت وہ ہیں۔" اسے ٹوٹ کر حیا آنے لگی تھی مہوز کی نظریں بھی تو بہت سرکشی سے اس کے ہوشربا نقوش میں الجھ رہی تھیں وہ اس کی نگاہ سے بہت گھبرا رہی تھی۔

"پتا ہے تمہیں دیکھ کر میرا دل کیا چاہتا ہے۔" وہ دلچسپی سے اس کے حجاب سے گلگوں ہوتے چہرے کو جانچ رہا تھا وہ حواس کھونے لگی تھی۔ "جی چاہتا ہے تمہیں اپنے من میں چھپا لوں اپنے دل میں بند کر کے سینے کے صندوق پہ تالہ لگادوں تاکہ تمہیں میرے علاوہ کوئی نہ دیکھ سکے کوئی نہ چھو سکے۔"

اس کی شدتیں، اس کی بے قراریاں افزا کے دل کی دنیا تہہ و بالا کیے دے رہی تھیں اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا حواس ڈھیر ہونے لگے تھے۔ اس کی محبتوں اور مجنونانہ وارفتگیوں نے اس کے اوسان خطا کر ڈالے تھے۔ رگ و پے میں حیا آمیز خوف کا بھونچال سا آگیا تھا۔

"اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے" کے مصداق اس کا واقعتاً دم نکلا جا رہا تھا دھڑکنوں میں اتھل پتھل ہو رہی تھی وہ پریشان سے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کی نظروں کی دیوانگی سے خوفزدہ ہونے لگی۔

"معاً" مہوز کو ہوش آگیا وہ اس پر کتنا اعتبار کیے بیٹھی تھی اس کے ضبط و برداشت کی معترف تھی اور وہ چند لمحوں کے فسوں میں گم ہو کر اس کا اعتماد پارہ پارہ کرنے لگا تھا۔

"تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو افزا۔" یکلخت مہوز نے اپنے بازو ہٹا لیے۔ اسے اپنے اندر کے مرد سے ڈر لگنے لگا تھا رات کا پچھلا پہر اور اس درجہ یکجائی کہ دوائی حرف غلط کی طرح مٹ گئی تھی۔

"جاؤ افزا۔" وہ پوری طاقت صرف کر کے اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کروٹ لے کر اوندھا لیٹ گیا اس کا لہجہ مرتعش سا تھا۔

افزا اڑے اڑے حواس مجتمع کرتی ہوئی بمشکل تمام لرزتے قدموں سے دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ اس کے بال بکھرے سے گئے تھے اور چہرہ انجانی تپش سے جل رہا تھا۔ پورا جسم یوں دہک رہا تھا جیسے بھٹی میں

جھونک دیا ہو۔

* ...... * ...... *

"مہوز صاحب میں ان کی کیس ہسٹری مکمل کر لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کے لاشعور میں کوئی ایسا تکلیف دہ میٹریل چھپا ہے جس کی چبھن ان کی ازدواجی زندگی میں زہر گھول رہی ہے جب تک اس اذیت ناک احساس کا لاشعور سے نکال کر شعور کی سطح پر نہیں لایا جاتا مسئلے کا حل ممکن نہیں ہوگا ان کے ماضی کی تہیں کھنگالنے کے لیے ہمیں ان کے بچپن اور جوانی کے ایام کی گواہ کسی قریبی ہستی کا تعاون درکار ہے مگر آپ کے بیان کے مطابق ان کی والدہ حیات نہیں ہیں والد زیادہ تر کاروباری معاملات میں مصروف رہتے ہیں اور کوئی ذریعہ معلومات نہیں لہٰذا ایسی صورت میں صرف ایک ہی حل رہ جاتا ہے کہ ہم تحلیل نفسی کے ذریعے ان سے اگلوائیں یا پھر الیکٹرک شاک دے کر مطلوبہ میٹریل حاصل کریں آپ رائے دیجیے اب۔"

ڈاکٹر واسطی تفصیلی گفتگو نے مہوز کو سوچ میں ڈال دیا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتے ہوں گے آپ کا پروفیشن ہے جیسا مناسب سمجھتے ہیں ٹریٹ کیجیے مجھے تو بس ہنستی مسکراتی خوش باش افزا درکار ہے جو میری محبت اور چاہت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے میری سطح پر میرا ساتھ دے۔" وہ آخر کار گویا ہوا۔

گزشتہ دو ہفتوں سے ڈاکٹر واسطی افزا کے کیس پر کام کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ان کا ماضی کھنگالنے کے لیے انہیں تھراپی اپلائی کریں گے مگر ایک بات کے لیے میں آپ کو قبل از وقت آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے ماضی کے الجھے ہوئے سرے کو ان کے حال سے منسلک کر کے کبھی بھی خود کو اور انہیں امتحان میں نہ ڈالیے گا ماضی کی پٹاری کھول کر حال سے بے خبر رہنے والے اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے۔"

ڈاکٹر واسطی نے اپنا کام شروع کردیا مہوز الجھا الجھا سا رہنے لگا تھا وہ جلد از جلد افزا کا ذہنی مسئلہ جاننے کی فکر میں تھا۔

اور پھر بالآخر تحلیل نفسی کے مہنگے ترین پراسس سے گزر کر حقیقت حال سامنے آگئی مگر اس قدر بھیانک حقیقت۔"

مہوز جہاں تھا وہاں کھڑا رہ گیا آنکھیں شدت بے یقینی سے پھٹنے کے قریب ہوگئیں دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

"یہ نہیں ہو سکتا ڈاکٹر۔"

اس نے بے قراری سے سہلاتے ہوئے شدت جذبات سے مٹھیاں بھینچ لیں انکشاف اتنا جان لیوا تھا کہ اس سے ضبط نہیں ہو پا رہا تھا جی چاہ رہا تھا ہر شے کو تہس نہس کر دے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ۔ کہ جس لڑکی کو اس کی بیوی کا درجہ حاصل ہے اسے اس سے پہلے بھی کوئی برت چکا ہے اس کے حسن کے خزانوں تک رسائی پا چکا ہے اوہ خدایا۔

اس کا خون شریانوں میں جوش مارنے لگا تھا۔

"مگر... ڈاکٹر۔" وہ بے چینی سے بولا مگر یوں لگا جیسے آگے اس کے پاس الفاظ ختم ہوگئے ہوں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیسے خود کو یہ باور کرائے کہ کوئی مرد افزا کے وجود سے اپنی پیاس بجھا چکا ہے۔

"آپ تسلی رکھیے ایس پی صاحب۔ یہ واقعہ بہت کم عمری میں پیش آیا تھا اور اب اس کے اثرات باقی نہیں رہے۔"

"اوہ۔ ڈاکٹر۔" مہوز کا خون کنپٹی کے آس پاس جمع ہونے لگا تھا اس کی آنکھیں غیرت سے سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ غیض کی لپک سے آتش فشاں بنا ہوا تھا اس کی مردانگی پر ایسی خوفناک ضرب لگی تھی کہ لہو میں شرارے سے ناچنے لگے تھے۔ یہ تصور ہی ناقابل برداشت تھا کہ افزا کو اس سے پہلے کوئی ہاتھ لگا چکا تھا وہ ان چھوئی نہیں تھی اس کی عزت کا دامن داغدار تھا اس کی پاک دامنی مشکوک تھی۔

ڈاکٹر واسطی اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس کی مردانہ انا اور غیرت پر تازیانہ لگا تھا وہ آگے

بڑھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلسوزی سے بولے۔

"ٹیک اٹ ایزی ایس پی صاحب! میں نے اسی لیے احتیاطاً" آپ کو قبل از وقت صورتحال کو قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا دیکھئے اس ہوس پرست اور مادیت پرستی کے زمانے میں انسان سے کچھ بھی بعید نہیں رہا ہے آنکھوں پر پٹی سی بندھ گئی ہے کسی دانا نے بالکل صحیح نشاندہی کی ہے کہ زر، زن اور زمین وہ تین بڑے فتنے ہیں جن کے حصول کے لیے بنی نوع انسان ہر اخلاقی و شرعی برائی کے مرتکب ہوجاتے ہیں اور اب تو جیسے انسانیت رہی ہی نہیں حرص و ہوس اور خود غرضی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر ممکنہ و غیر ممکنہ حد پار کرنے میں عار نہیں رہا غیر ملکی میڈیا کے ذریعے عریانی و فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب سا اُمڈ آیا ہے جس نے ہماری نئی نسل کو قبل از وقت ذہنی و جذباتی لحاظ سے میچور اور جوان بنادیا ہے یہی وجہ ہے کہ لڑکے بالے نوجوانی کی حدود طے کرتے ہوئے شعور کی سطح کو چھوتے ہیں تو مثبت تعمیری سرگرمیوں کی بجائے نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے راہیں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے نوجوان لڑکیوں کو تو خیر چارہ بناتے ہی ہیں موقع ہاتھ آجانے پر نوخیز اور کم عمر بچیوں کو بھی نہیں بخشتے۔"

ڈاکٹر واسطی افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

"ان کے لاشعور کو کھنگالنے پر یہ بات سامنے آئی ہے کہ آج سے بارہ چودہ برس قبل جب افزا نو ساڑھے نو برس کی ہوں گی اس وقت اپنے والدین کے ہمراہ گاؤں میں اپنے رشتے داروں سے ملنے گئی تھیں شام کو باہر کھیلتے ہوئے کھیتوں میں کہیں دور نکل آئی شام کی تنہائی میں ادھر کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے کسی نفس کے مارے شکاری مرد نے سے تاک لیا اتنی حسین گڑیا سی بھولی بھالی بچی پہ قابو پانا کیا مشکل تھا وہی واقعہ افزا کے لاشعور میں خوف و ہراس اور اذیت بن کر چمٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ازدواجی زندگی میں اعتماد اور رضامندی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہیں لیکن میں ایک بات واضح کردوں ایس پی صاحب براہ کرم جذبات کی بجائے دماغ سے سوچ کر فیصلہ کیجئے گا۔ افزا کا اس سارے معاملے میں کچھ قصور نہیں وہ معصوم اور بے گناہ ہے اسے اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا نہ دیجئے بلکہ سے زندگی کی مسرتوں کی سمت لوٹنے میں اس کی مدد کیجئے یہ اپنے حسن عمل سے اسے باور کرائیے کہ دنیا کے تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے آپ کا مہربان دوستانہ رویہ دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ آپ پر اعتماد کرنے لگے گی اور ایک روز خود بخود اس نتیجے پر پہنچ جائے گی دنیا کا ہر مرد وحشی سفاک اور بے رحم بھیڑیا نہیں ہوگا اور یہ کہ آپ کی ذات اس کے لیے خوشی و خوش بختی کی علامت ہے وہ ایک روز خود چل کر آپ کی طرف آئے گی بشرطیکہ آپ عالی ظرفی اور تحمل کا ثبوت دیں۔"

ڈاکٹر واسطی کا سلجھا ہوا مدبرانہ لہجہ کتنے ہی دن اس کے اعصاب کو ڈسٹرب کرتا رہا۔

وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟

اتنا بڑا دل کہاں سے لائے۔ اتنے ظرف کا مظاہرہ کیونکر کرے۔

* .... * .... *

"مہروز کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟"

وہ ثریا کے بلاوے کے باوجود جب ڈائننگ ٹیبل پر نہیں آیا تو افزا اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی وہ بہت تشویش بھری نظروں سے بیڈ پر لیٹے چھت کو تکتے مہروز کو دیکھ رہی تھی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" مہروز نے پوزیشن بدلے بغیر بددلی سے کہا۔

"کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہوگیا ہے؟" افزا قدرے سہم کر پوچھنے لگی جب سے وہ ڈاکٹر واسطی کی ٹریٹ منٹ لے رہی تھی مہروز کے لب و لہجے اور رویے میں واضح کھنچاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی اتنا پرجوش بشاش اور بھرپور شخص کس قدر آدم بیزار اور سنجیدہ کیوں بنگیا تھا۔

اب تو وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ نہ وہ شوخیاں، نہ شرارتیں، نہ معنی خیز پیش قدمی نہ نظر کے بلاوے ایک دم کٹھور اور بے مروت سا ہوگیا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" اسے خاموش پاکر وہ ہمت کرکے دوبارہ مخاطب ہوئی تھی۔

"کیوں؟" مہروز نے رکھائی سے بھنویں اچکا کر اسے دکھا۔

"تو پھر؟" وہ انگلیاں مروڑتی سر جھکائے اپنے آنسو ضبط کررہی تھی "پلیز مہروز آپ ایسے نہ کیا کریں۔" پھر وہ ایک دم اس کے قدموں میں جھک آئی لہجہ بھیگا ہوا اور التجائیہ تھا۔

مہروز نے اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی سیاہ مخمور آنکھیں انگور کے دانوں جیسے رس بھرے لکش ہونٹ گلابی ملائم چہرہ چمکدار زلفیں اور پربہار سراپا اس کا دل پگھلنے لگا سختی موم میں بدلنے لگی وہ آہستگی سے اٹھ بیٹھا۔

"اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے تو خدارا مجھے سزا دے لیجئے مگر اس طرح خاموشی اور بے نیازی کی مار نہ ماریں۔"

اس کے آنسو چکنے رخساروں پر پھسلے پڑرہے تھے لہجہ، آنکھ، چہرہ، وجود ہر شے پکار پکار کر اس کی بے گناہی اور معصومیت کی گواہی دے رہی تھی۔

وہ اپنی جگہ بے عیب، پاک اور مصفا تھی جس درندہ صفت انسان نے اس کی معصومیت چھینی تھی یقیناً وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا اگر اس دنیا میں نہیں تو اگلی دنیا میں تو اپنے سفاک ترین فعل کی سزا بھگت ہی لے گا۔

اور افزا تو سراپا مصفا اور پاکیزہ ہے بے قصور۔

دل اس کے حق میں گواہی دے رہا تھا وہ کشمکش کے عالم میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا اب وہ بہت بدل گئی تھی آہستہ آہستہ نارمل ہوتی جارہی تھی ڈاکٹر واسطی کی کوششوں سے شاک کی انتہائی کنڈیشن سے نجات پاگئی تھی اپنے فرائض اور شوہر کے حقوق پہچاننے لگی تھی مہروز اس کی آنکھوں میں اپنے لیے قبولیت اور سپردگی کے جذبے جھلکتے دیکھ سکتا تھا۔

افزا اس کے چہرے پر چھائی گمبھیرتا کو ناگواری پر محمول کرتے ہوئے تھکے تھکے قدموں سے واپس پلٹنے لگی اسی لمحے مہروز نے پکارا۔

"افزا۔" اس پکار میں سوچ کے عکس جاگ رہے تھے افزا رک کر اس کی طرف تذبذب نظروں سے دیکھنے لگی اس کی نظر میں اندیشے اور ہراس لپک رہا تھا۔

"ادھر آؤ۔" وہ کچھ جھجک کر بیڈ کے نزدیک آگئی۔

"یہاں بیٹھو۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔

افزا نظر جھکا کر بیٹھ گئی دل ہولے ہولے دھڑکنے لگا تھا۔

"اب تو تمہیں مجھ سے خوف نہیں آتا ناں؟"

اسکے لہجے اور نظر کی گرمی افزا کا چہرہ تمتا گئی تھی۔

"تمام مرد واقعی ایک جیسے نہیں ہوتے اور پھر میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ میاں بیوی میں جسمانی وابستگی سے زیادہ پائیدار اور مخلصانہ گرمجوشی دوستی کا تعلق قائم رہنا چاہیے میاں بیوی ایک دوسرے کے بہترین رازدار اور سچے غم گسار ہوتے ہیں تم یقین کرلو کہ میں دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند کرتا ہوں تمہیں چاہتا ہوں تمہاری پرخلوص محبت اور بھرپور ساتھ کا طالب ہوں۔ تمہاری قربت کا تمنائی ہوں کیا تم میرا دامن اپنے پیار کے پھولوں سے نہیں بھوگی؟"

کس درجہ جادو اثر اور سحر آگیں لہجہ تھا کہ افزا کے جسم و جاں میں ٹھنڈک کی پھوار سی پڑتی جارہی تھی چاہت کی بارش میں تن من بھیگتا محسوس ہورہا تھا۔ قربتوں کے آس پاس کتنا سکھ کتنی شانتی تھی۔

"سچ پوچھو تو ہم دلی طور پر کب کے ایک دوسرے کے اسیر ہوچکے تھے بس قربتوں کے آس پاس بھٹکتے رہے تھے مگر اب یہ تلاش یہ بے چینی، یہ ادھورا پن اختتام چاہتا ہے۔"

اپنی بانہوں میں کسی متاع حیات کی طرح اسے سمو کر مہروز دیوانہ وار اس پر نثار ہوتا چلا گیا۔

★